شیخ الحدیث حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ

مولانا محمد اعجاز عرفی القاسمی

دیوبند کی سرزمین سے بے شمار اصحاب فضل وکمال پیدا ہوئے، دارالعلوم نے اپنی آغوش سے لاتعداد عظیم شخصیتوں کو اچھالا، انہیں بے شمار اصحاب فضل وکمال میں ایک قد آور انسان اور ایک عظیم شخصیت ایسی بھی ہے جن کے پیکر میں اکابر دیوبند کی انفرادی خصوصیات اور ان کے خصوصی کمالات یکجا نظر آتے تھے، دارالعلوم کی درس گاہوں میں ان کی شخصیت ایک کامیاب مدرس ومعلم اور مفسر ومحدث کی حیثیت سے جلوہ گر نظر آتی تھی تو وہ ملک اور بیرون ملک کی معیاری دینی مجالس اور جلسہائے علم وفن میں شعلہ بیان مقرر دکھائی دیتے تھے تو کبھی ان کا سراپا تصنیف وتالیف کی وادیوں میں دین وحکمت کے موتی بکھیرتا ہوا نظر آتا تھا اور ہر گوشۂ علم وفن میں ان کی انفرادیت کی ایسی چھاپ نظر آتی تھی کہ آدمی یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا کہ بس وہ اسی ایک علم کی دنیا کے انسان ہیں، مگر ان کی ذہانت وذکاوت، فصاحت وبلاغت، سیاست وقیادت، تبحر علمی، وسعت معلومات اور کردار عمل کے وہ کارنامے جو نصف صدی سے دیوبند کی فضا میں چھائے ہوئے تھے اور دعوت وعزیمت اور ملک وملت کی رہنمائی میں ان کی فکری جدوجہد کی وہ داستاں جو پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھی جب ان مناظر پر نگاہ پڑتی ہے تو بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ علمائے دیوبند میں صرف ایک ہی سحر انگیز شخصیت ایسی تھی جن کے جلو میں تمام اکابر کے کمالات کا عکس نمایاں نظر آتا تھا۔ اگر آپ حضرت نانوتوی کی عبقریت، حضرت گنگوہی کا تفقہ، حضرت شیخ الہند کی مردم سازی، حضرت علامہ انور شاہ کا تبحر علمی، حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کی ذکاوت، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کا تدبر، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی خطابت، حضرت شیخ الادب کا درسی انہماک، حضرت شیخ الاسلام کی خدمت خلق اور حضرت حکیم الاسلام کے کریمانہ اخلاق واوصاف کو یکجا دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ پوری رعنائی وزیبائی کے ساتھ حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کے دل نواز پیکر میں دکھائی دیتے تھے۔ افسوس وہ دل نواز پیکر ہماری نگاہوں سے روپوش ہو چکا ہے اور دہلی کے سرگنگا رام ہسپتال میں علمائے دیوبند کے ممتاز کمالات واوصاف کا مالک اپنے لاکھوں شاگردوں، ہزاروں عقیدت مندوں کو روتا تڑپتا چھوڑ کر اپنے اس معبود حقیقی کے پاس چلا گیا، جو خالق کائنات ہے اور لافانی بھی۔

26 جنوری 1929ء میں دیوبند کے محلہ خانقاہ میں حضرت شاہ صاحب نے اس جہان رنگ وبو کا پہلا جلوہ دیکھا، بدر سنبھلی نے آپ کا تاریخی نام اختر قوم تجویز کیا اور آپ کے نامور والد، فقید المثال عالم اور عدیم النظیر محدث

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے آپ کا نام انظر شاہ رکھا، ابھی حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کی زندگی کی چار ہی بہاریں گزری تھیں کہ آپ کی یتیمی کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیل گئی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کا وصال ہو گیا اور علامہ کشمیری مرحوم اپنی زندگی کے قیمتی ماہ وسال علم وفن کی وادیوں میں بسر کر کے معبود حقیقی سے جا ملے، پھر بھی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری زندہ پائندہ ہیں، ان کے علمی کمالات وتصنیفات ان کی حیات جاوید اور یگانہ روزگار ہونے کی ضمانت ہیں، بقول شورش کاشمیری ۔

یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہ کا ثانی نہیں

حضرت شاہ صاحب نے ابتدائی تعلیم متعدد حفاظ سے حاصل کی، بعض وجوہ کی بنا پر تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا، حضرت شاہ صاحب اپنے خالہ زاد بھائی کے پاس دیوبند سے دہلی تشریف لے گئے، انہیں کی سرپرستی میں پنجاب یونی ورسٹی کے امتحانات بھی دیے، یہ وہ وقت تھا جب ملک کی تقسیم کی وجہ سے پورے پنجاب میں نفرت وعداوت کے جھونکے چل رہے تھے، ہر شخص فسادات کی زد میں جکڑا ہوا تھا اور فرشتے انسانوں کی بربریت ووحشت پر خون کے آنسو بہا رہے تھے، جس دن آپ امتحان سے واپس ہوئے اس کے کچھ ہی دیر بعد پورے سینٹر میں آگ لگا دی گئی، سینکڑوں مسلم طلبا اس میں جل کر خاکستر ہو گئے، اس کے بعد حضرت شاہ صاحب دیوبند آ کر ایف اے کی تیاری میں ہمہ تن مشغول ہو گئے، ماسٹر فضل الٰہی سے انگریزی کی تعلیم بھی شروع کر دی اور اسی درمیان قاری اصغر علی صاحب سے میزان الصرف بھی پڑھنے لگے، عربی کی اس کتاب کے پڑھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ پنجاب کے امتحانات میں سہولت ہو، مستقل عربی دینی تعلیم کا ان کا قطعی کوئی ارادہ نہ تھا۔

یہ بھی ایک روشن اور کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مستقبل کسی دریا کا وہ زیریں حصہ ہوتا ہے جس کے متعلق کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا کہ وہاں سکون ہے یا اضطراب؟ حضرت شاہ صاحب کے قدم اسی ڈگر پر آگے بڑھ رہے تھے، انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک روز اسی راستے پر چلیں گے جن راہوں سے گزر کر ان کے عظیم والد خواب راحت کے مزے لے رہے ہیں اور صحیح معنوں میں وہ اپنے نامور باپ کی علمی عظمت ورفعت کے سچے جانشین قرار دیے جائیں گے اور ایشیا کی سب سے بڑی عربی یونی ورسٹی میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب عالی پر سرفراز ہوں گے، ان کی خطابت مرحوم عطاء اللہ شاہ بخاری کی یاد تازہ کرے گی، یہ سب وہ حقیقتیں ہیں جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھیں اور نہ ان کا پاکیزہ روشن مستقبل کا حسین وجمیل چہرہ ان کی نگاہوں کے سامنے بے نقاب تھا، بلکہ وہ ایک عام انگریزی داں بننا چاہتے تھے، مگر خالق کمالات انہیں حقیقی ابن الانور کی حیثیت سے کائنات کی نگاہوں میں لانا چاہتا تھا، ایک مرتبہ درس کے درمیان انہوں نے بتایا کہ پتہ نہیں میری عربی تعلیم کن کی دعاؤں نتیجہ ہے، لیکن مجھے اتنا ضرور یاد ہے کہ دہلی کے قیام کے زمانے میں جامع مسجد کے عقب میں ایک ادارہ تھا، جس میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن جیسی شخصیتیں جمع ہوتی تھیں، میں بھی جمعہ کے روز وہاں چلا جاتا تھا، شاید وہیں علم کی قدر میرے دل میں آ گئی اور انہوں نے

ایک بار یہ بھی بتایا کہ جب میں دہلی میں تھا تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مزار پر اکثر حاضری دیتا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ انہیں حضرات کے فیوض باطنی کی کرشمہ سازی ہے کہ قرآن وحدیث ان کی زندگی کے روشن عنوان بن گئے۔ تقریر وخطابت کی دنیا میں حضرت شاہ صاحب امتیازی حیثیت کے مالک تھے، ان کی تقریریں شعلہ بار ہوتی تھیں، ہند او ربیرون ہند کے مختلف مقامات پر اکثر ان کے اسفار ہوتے رہتے تھے، الفاظ کی کثرت، زبان کی فصاحت، لب ولہجہ کی انفرادیت اور معلومات کی وسعت کے اعتبار سے حضرت شاہ صاحب کی موجودگی کسی بھی مجلس کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی، جب حضرت شاہ صاحب محو تکلم ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ الفاظ کا آبشار بہہ رہا ہے، حدیث وتفسیر کے موتی بکھر رہے ہیں، سننے والوں پر ایک بے خودی سی طاری ہو جاتی اور وہ اپنے آپ کو عرش کی سربلندیوں سے فرش کی شادابیوں کا نظارہ کرتا ہوا محسوس کرتے۔

میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھ رہا تھا، 1973ء کا واقعہ ہے، سہارنپور میں جمعیۃ علما اور مسلم لیگ میں کش مکش زوروں پر تھی، اس درمیان مظاہر علوم کے دارالطلبہ قدیم کے سامنے جمعیۃ کا اجلاس ہوا، جس میں حضرت شاہ صاحب بھی دوسرے مقررین کے علاوہ آنے والے تھے حضرت شاہ صاحب کا نام سن کر طلبائے مظاہر علوم کی ایک کثیر تعداد جلسہ گاہ میں موجود تھی، میں بھی حضرت شاہ صاحب کو دیکھنے اور سننے کے اشتیاق میں حاضر تھا، پروگرام شروع ہوا تو لیگیوں نے مجمع میں انتشار پیدا کر دیا۔ چاروں طرف سے پتھروں کی بارش ہونے لگی، علما کو دل خراش طعنے دیے جانے لگے، دوسرے مقرروں نے ایسی مخدوش فضا میں تقریر کرنے سے انکار کر دیا، مگر حضرت شاہ صاحب اسٹیج پر نظر آتے ہیں، تقریر شروع ہوگئی ہے، الفاظ ومعانی کا سمندر رواں ہے، زور وجوش ایسا کہ سارا مجمع ان کی انگلیوں پر ناچ رہا ہو، حضرت شاہ صاحب محو خطابت تھے:

''تم پیدا ہوتے ہو تو مولوی کی ضرورت پڑتی ہے، جب مولوی تمہارا نکاح نہ پڑھائے تو تم رشتہ ازدواج سے منسلک نہیں ہو سکتے، جب تم مرتے ہو تو مولوی تمہاری نماز جنازہ نہ پڑھائے تو تم دفنائے نہیں جا سکتے اور یہی مولوی اگر سیاست کے میدان میں سرگرم نظر آتا ہے تو تمہاری پیشانیوں پر شکنیں پڑتی ہیں، تمہارے وجود میں زلزلہ آجاتا ہے، تم غیض وغضب میں کانپنے لگتے ہو، تمہارے پیکر میں ارتعاش طاری ہو جاتا ہے اور تمہارے افکار وخیالات میں آندھیاں چلنے لگتی ہیں۔''

حضرت شاہ صاحب کی یہ ساحرانہ تقریر تھی، جو سر چڑھ کر بول رہی تھی، مجمع پر سناٹا چھایا ہوا تھا، ہنگامہ کرنے والے محویت میں ساکت وصامت تھے، جنگ آزادی میں علما کی جدوجہد اور ملک وملت کی تعمیر میں ان کے کردار وعمل پر حضرت شاہ صاحب گل افشانی گفتار کا مظاہرہ فرما رہے تھے، ان کی تقریروں کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں، گل افشانی گفتار اور خطبات کشمیری جسے مولانا محمد اکرم صاحب کشمیری ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ لاہور پاکستان نے مرتب کیا، جس میں پاکستان، بنگلادیش، انگلینڈ اور ساؤتھ افریقا میں شاہ صاحب کی زبان سے نکلے ہوئے مواعظ شامل ہیں۔

تقریر وخطابت کے ساتھ تعلیم وتدریس میں بھی حضرت شاہ صاحب یکساں دسترس اور قدرت کے مالک تھے، ان کا درس حدیث امتیازی شوکت وعظمت کا حامل ہوا کرتا تھا، دیوبند سے فراغت کے فوراً بعد ہی اعلیٰ حسن استعداد کی بنیاد پر تدریس کے لیے آپ کا انتخاب عمل میں آیا، میزان الصرف سے بخاری تک آپ کا کامیاب درس مشہور ہے، دیوبند کی درس گاہوں میں اس سعادت مند فرزند نے اپنے نامور باپ کے درس حدیث کی یاد تازہ کردی تھی، ملک اور بیرون ملک کے طویل وعریض فاصلوں سے طالبان علوم نبوت صرف آپ سے بخاری شریف پڑھنے کے لیے دیوبند آتے تھے۔ کامیاب تقریر وتدریس کے علاوہ تحریر وقلم کی دنیا میں بھی حضرت شاہ صاحب کی حکمرانی مسلم نظر آتی ہے، پچاس سال سے زیادہ ادب وصحافت کے میدان میں آپ کا قلم رواں دواں تھا، علم وسخن کی ہر صنف پر بے شمار مضامین ومقالات ہندوپاک کے علمی جریدوں میں شائع ہو چکے ہیں اور آپ کی تالیفات وتصنیفات چھپ کر ملک میں پھیل چکی ہیں، ان میں ''نقش دوام'' ایک شاہکار تصنیف ہے، جس میں علامہ انور شاہ کشمیری کے علمی کمالات وتفردات کا تفصیلی تذکرہ ہے اور ان سے منسلک شخصیتوں پر اس کتاب میں ذیلی عنوان کے تحت آپ کے قلم نے وہ گل بوٹے کھلائے ہیں جن سے وہ مرحوم شخصیتیں بھی نقش دوام سے آشنا ہوگئی ہیں۔

اوروں کی طرح حضرت شاہ صاحب کی شخصیت کی تعمیر وتشہیر کے پس منظر میں نہ کوئی ملی تحریک تھی اور نہ جماعتی سرگرمیاں، صرف خداداد صلاحیتوں نے ان کو بام عروج پر پہنچایا، حضرت شاہ صاحب آگے بڑھتے رہے، عزت ورفعت ان کے قدم چومتی رہی، فضل وکمال ان کے اردگرد طواف کرتے رہے، ان کی خدمات کا ہر سطح پر ان کی زندگی ہی میں اعتراف کیا گیا، صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ سے بھی وہ نوازے گئے، سینکڑوں علمی اداروں کی سرپرستی کی، یوپی کانگریس کے نائب صدر بھی رہے، مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن اور اقلیتی تعلیمی کمیٹی برائے حکومت ہند کی خیر سگالی برائے حج حکومت ہند اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی باوقار رکنیت بھی ان کو حاصل تھی۔

اس عہد میں علم وعمل، فضل وکمال، زبان وبیان اور تصنیف وتالیف کے میدان میں اکابر دیوبند کی آخری یادگار تھے۔ ان کی وفات پر 29 اپریل 2008ء جامع مسجد دہلی میں آل انڈیا تنظیم علمائے حق کے زیر اہتمام ایک تعزیتی اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں ان کے سانحہ ارتحال کو ملت اسلامیہ خاص کر ہندوستانی علما کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیتے ہوئے یہ قرارداد پاس کی گئی کہ ان کی وفات سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورا عالم اسلام بے مثال محدث، بے نظیر خطیب، فقید المثال مفسر، صاحب طرز ادیب اور ایک عظیم قائد سے محروم ہوگیا۔ اور اجتماعی دعا کی گئی کہ حضرت شاہ صاحب کے علمی کمالات اور اسلامی خدمات کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مقبولیت سے سرفراز کرتے ہوئے پوری پوری مغفرت فرمائے۔ اور نصف صدی سے زیادہ خدائی احکامات وفرمودات کے اس شارح کو بلندی درجات کے اعلیٰ مقام پر فائز کرے۔

☆☆☆